© rasailojaraid.com

فنِ اسماء الرجال کی اہمیت

مولانا محمد حسین صدیقی

علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ ہی نہیں، بلکہ ہر اس شخص کے حالات کی، جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی، وہ انسان تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔

روایت حدیث:......جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کو روایت کیا، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور اس میں چوتھی صدی ہجری تک کے راویانِ احادیث وآثار داخل ہیں۔ ان کے مجموعہ احوال کا نام "فنِ اسماء الرجال" ہے۔ جب حدیث وسنت کی تدوین ہو چکی، تو ان رواۃ حدیث کے حالات بھی قلم بند کیے گئے، اس میں حسبِ ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا، ہر راوی کا نام، اس کی کنیت، اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے؟ ان کے آباء واجداد کون تھے؟ کس مزاج وطبیعت کے تھے؟ حافظہ کیسا تھا؟ تقوی اور دیانت کے لحاظ سے کیا معیار تھا؟ کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا؟ طلب علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کا سفر کیا؟ کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا؟......غرض ان ہزار ہا ہزار راویانِ حدیث کے بارے میں تحقیق وتفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم وجدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں، ڈاکٹر اسپنگر نے، جس کی اسلام دشمنی مشہور ہے، "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے:

> "کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

صرف طبقہ اوّل کے راویانِ حدیث، یعنی صحابہ کرام کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات

© rasailojaraid.com

میں ایک لاکھ سے زائد تھی، اگر چہ ان کتابوں میں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تذکرہ میں لکھی گئیں ہیں ان میں تقریباً دس ہزار کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا، یعنی انہوں نے راویت حدیث کی خدمت انجام دی۔"

احادیث نبویہ کی حفاظت کے لیے یہ مسلمانوں کا وہ کارنامہ ہے کہ دوسری قومیں اپنی مذہبی روایات کے ثبوت وحفاظت کے لیے آج بھی اس سے ناآشنا ہیں۔

احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ عیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ کچھ لوگ تمہارے پاس ایسے آئیں گے جو مجھ سے منسوب کر کے تمہیں حدیث سنائیں گے، لیکن وہ احادیث جھوٹی ہوں گی، چناں چہ مقدمہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے: "انه سیکون فی آخر امتی اناس یحدثونکم مالم تسمعوا، انتم ولا آباء کم، فایاکم وایاهم" کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ تمہیں ایسی حدیثیں سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباء واجداد نے، تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا، انتم ولا آباء کم فایاکم وایاهم، لا یضلونکم ولا یفتنونکم"

اس حدیث کا مفہوم بھی وہی ہے کہ "کچھ دجال وکذاب تمہارے پاس آ کر ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے نہیں سنی ہوں گی، تم اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھو، کہیں تمہیں گمراہ کر کے فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ: "ان فی البحر شیاطین مسجونة اوثقها سلیمان یوشك ان تخرج فتقرأ علی الناس قرآنا"

"حضرت سلیمان علیہ السلام نے کچھ شیاطین کو دریا میں قید کر دیا تھا، عنقریب وہ نکلیں گے اور لوگوں کو کچھ پڑھ کر سنائیں گے" اور یہ روایت تو متواتر سندوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے تو وہ خود اپنا ٹھکانہ آگ میں مقرر کر دے۔

ان روایات پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ کچھ لوگ آپ کے اوپر جھوٹ بولیں گے، آپ نے پہلے اپنی امت کو اس کی اطلاع بھی دی اور اس کے متعلق وعید بھی بیان فرمائی، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جیسے ایک عام آدمی یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس پر جھوٹ بولا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وعمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے لوگوں کے اقوال واعمال کے لیے کسوٹی اور قانون کا درجہ رکھتا ہے وہ اس کو کیسے یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ آپ پر جھوٹ بولا جائے؟! اس لیے بحیثیت ایک امتی اور دین کی حفاظت کرنے والے کے ہم پر لازم ہے کہ جو احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جائیں ہم اس کی تفتیش کریں کہ کہیں کوئی ایسی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو اور کہیں ایسی بات پر ہم شریعت واحکام کی بنیاد نہ رکھ دیں جو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہ فرمائی ہو اور غلط طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہو اور ظاہر ہے کہ اس تفحص وتلاش کے لیے علم اسماء الرجال کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں، یہ وہ ذریعہ ہے کہ جس کو استعمال کرتے ہوئے ہم سچ اور جھوٹ میں امتیاز کر سکیں۔ نیز اس فن کی اہمیت کے سلسلے میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"وهو فن عظيم الوقع من الدين، قديم النفع للمسلمين، لا يستغني عنه، ولا يغتني باعم منه، خصوصاً ما هو القصد الاعظم منه، وهو البحث من الرواة، والفحص عن احوالهم في ابتدائهم وحالهم واستقبالهم، لان الاحكام الاعتقادية والمسائل الفقهية ماخوذة من كلام الهادي من الضلالة والمبصر من العمى والجهالة، والنقلة لذلك هم الوسائط بيننا وبينه والروابط في تحقيق ما اوجبه وسنه، فكان التعريف بهم من الواجبات، والتشرف بتراجمهم من المهمات، ولذا قام به في القديم والحديث اهل الحديث، بل نجوم الهدى ورجوم العدى ووضعوا التاريخ المشتمل على ماذكرنا، مع ضمهم له الضبط لوقت كل من السماع وقدوم المحدث البلد الفلاني في رحلة الطالب وما أشبهه"

"یہ فن دین میں بہت اونچا مقام رکھتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس میں عظیم فوائد ہیں، اس فن سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا ہے اور نہ اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا عام فن اختیار کر سکتا ہے، خاص کر اس فن تاریخ کا جو مقصد اعظم ہے وہ رواتِ حدیث کے متعلق بحث وتفتیش اور ان کے ابتدائی اور حال ومستقبل کے حالات سے واقفیت ہے، کیوں کہ تمام مسائل اعتقادیہ اور فقہیہ اس ذات بابرکات کے کلام سے ماخوذ ہیں جو ہادی اور جہالت کے اندھیروں سے ہدایت وشریعت کی روشنی کی طرف لانے والے تھے اور ظاہر ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان رابطہ ان ہی رواۃ کے ذریعے ہے اور آپ کے واجبات وسنن کی تحقیق وعلم ہم ان ہی کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں اس لیے ان کے احوال وواقعات معلوم کرنا واجبات دین میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے اس طرف توجہ فرمائی اور ان رواتِ حدیث کے متعلق وہ تاریخیں لکھیں، جو ان کے احوال اور تاریخ پیدائش ووفات اور ان کے ضبط سن سماع اور حالات علمیہ جیسے اہم مسائل پر مشتمل ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر عجاج الخطیب اپنی کتاب اصول الحدیث میں لکھتے ہیں:

"علم رجال الحديث ذالك لان علم الحديث يتناول دراسة السند والمتن ورجال السند هم رواة الحديث، فهم موضوع علم الرجال، الذي يكون احد جانبي الحديث، فلا غرو حينئذ من ان يهتم علماء المسلمين بهذا العلم اهتماماً كبيراً"

"رجال حدیث کا علم علوم حدیث کے اہم علوم میں سے ہے، اس لیے کہ علم حدیث میں متن وسند سے بحث ہوتی ہے اور سند میں مذکور لوگ ہی رجال حدیث کہلاتے ہیں، اسی لیے مسلمان علماء نے اس علم کا بہت اہتمام کیا ہے۔"

متقدمین ومتاخرین کی ان عبارتوں سے علم اسماء رجال کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ بقول علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ ان علوم میں سے ہے کہ جن کا جاننا علم حدیث وفقہ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے واجب ہے، اسی بنا پر اس علم کی معرفت وحصول بہت ضروری ہے، اب ہم اس کی تعریف وموضوع اور اس کی تدوین کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

آغاز علم اسماء رجال:...... ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کی ابتدا بھی صحابہ کے وقت سے ہوئی، چناں چہ ڈاکٹر موفق بن عبداللہ بن عبدالقادر نے دارقطنی کی کتاب الضعفاء والمتروکون کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"وبدأ التحري في اخذ السنة في وقت مبكر منذ عهد ابي بكر وعمر رضى الله عنهما، ثم استمر التفتيش عن احوال الرجال وازداد، فتكلم عدد من التابعين في الجرح والتعديل"

یعنی سنت اور احادیث کے قبول کرنے میں تحری اور تفتیش کی ابتدا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور سے ہوئی تھی، پھر تابعین کے دور میں اس میں ترقی ہوئی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر کے تذکرہ میں لکھا ہے" وكان اول من احتاط في قبول الاخبار "اس کے ثبوت میں امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے" دادی کی میراث" کا وہ واقعہ پیش کیا ہے، جو موطا امام مالک اور الکفایۃ میں منقول ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں بھی ذہبی نے لکھا ہے" وهو الذي سن للمحدثين التثبت في النقل وربما كان يتوقف في خبر الواحد اذا ارتاب "یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے محدثین کے لیے نقل روایت میں تثبت کا راستہ اختیار کیا (اور آنے والے محدثین کو اس کی تلقین کی) آپ کبھی کبھی شک کی وجہ سے خبر واحد کے قبول کرنے میں توقف کیا کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتنہ کا آغاز:...... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر دور خلافت میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے اسلام کے خلاف ایک عجیب وغریب تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جو اپنے مُسلمان ہونے کا اظہار بھی کرتا تھا، اس کا خاص نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کو یہ سمجھایا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے نہ تو کوئی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا دوست تھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کوئی عقیدت تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اگر اعتماد اٹھ جائے تو سارا دین ہی مسمار ہو کر رہ جائے گا، اس فتنے نے زور پکڑا، بالآخر اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ موقع پا کر یہ سبائی جماعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں گھل مل گئی۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جنگ جمل کا واقعہ بالکل پیش نہ آتا اگر یہ سبائی جماعت صلح کو جنگ سے بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی، جنگ "جمل" کے بعد صفین وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ سبائی جماعت اپنے خیالات اور بے سروپا روایات پھیلاتی رہی۔

اسی بات کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اول من کذب عبداللہ بن سبا" (روایات کے سلسلہ میں جس شخص نے سب سے پہلے جھوٹ بولا، وہ عبداللہ بن سبا تھا) یعنی اس نے سب سے پہلے جھوٹی حدیثوں کو پھیلانے کی کوشش کی، بالآخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سازش سے جب واقف ہوئے تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: "ومالی ولھذا الخبیث الاسود" کہ اس سیاہ کالے خبیث سے مجھے کیا تعلق؟

اور اعلان عام کر دیا کہ جو اس طرح کی باتیں کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، بالآخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جماعت سے دار وگیر میں سختی سے کام لیا۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قد احرقھم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی خلافتہ" کہ ان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں آگ میں ڈلوا دیا۔

فی الواقع یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

مگر اس جماعت کے نمائندے کوفہ، بصرہ، شام، مصر وحجاز ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری قوت سے اس فتنے کو دبایا اور لوگوں کو اس جماعت کی سازش سے آگاہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

"قاتلھم اللہ، ای عصابۃ بیضاء سودوا، وای حدیث من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افسدوا!!"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"خدا انہیں ہلاک کرے، کتنی روشن جماعت کو انہوں نے سیاہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو انہوں نے بگاڑا۔"

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بعد کے ادوار کے مقابلے میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہدِ نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف وگروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج بدعت، جو (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کرتے تھے اور دوسری روافض کی بدعت، جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت اور عصمت کے مدعی تھے، بلکہ روافض میں سے بعض ان کی نبوت کے اور بعض الوہیت تک کے قائل تھے۔"

دیکھا جائے تو سب سے زیادہ وضع حدیث کا کام روافض نے کیا ہے۔

فتنہ کے آغاز کے بعد روایت حدیث میں احتیاط:...... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے پوری قوت سے اس فتنہ کی بیخ کنی کی کوشش کی، سبائی جماعت جو جھوٹی حدیثوں کو پھیلانے کے لیے کوشاں تھی، چوں کہ اس کا علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ہو گیا تھا، اس لیے اس فتنہ کے رونما ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح وغلط کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لیے ایک عمومی ضابطہ بیان فرمایا، جس کو علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے: "حدثوا الناس بما یعرفون، ودعوا ما ینکرون...... الخ"

"لوگوں کے سامنے انہیں باتوں کو بیان کرو جنہیں وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ آشنا نہ ہوں، ان کو بیان نہ کرو۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حدیثوں کے پرکھنے کے لیے یہ ایک معیار وکسوٹی ہے کہ منکر وواہی احادیث کے بیان کرنے سے باز رہا جائے۔ خواہ فضائل سے متعلق ہوں یا عقائد ورقاق سے اور اس سے واقفیت رجال کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو قیامت تک اپنی اصلی وصحیح صورت میں باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس کا بھی کہ اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اہل ہوا وملحدین کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اس لیے امت میں ایسے لوگوں کو اس کی حفاظت کے لیے پیدا فرمایا جنہوں نے حق وباطل، صحیح وموضوع میں تفریق قائم کی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور بعد کے ائمہ نے عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تدوین سنت کے زمانہ تک جو کوششیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف کی ہیں، انہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

بہر حال فتنہ سبائیہ کے بعد علمائے امت نے روایت حدیث کے سلسلے میں خصوصیت سے رجال کی تحقیق اور اسناد کا خصوصی التزام کیا۔

اسناد کا اہتمام اور رجال کی چھان بین:......فتنہ کے رونما ہونے کے بعد روایان حدیث کے حالات معلوم کرنے کی بھی ضرورت پڑی۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لم يكونوا يسالون عن الاسناد، فلما وقعت الفتنة، قالوا: سموا لنا رجالكم، فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم، وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم"

"لوگوں سے پہلے اسناد کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا تھا، لیکن جب فتنہ پھیلا تو حدیث بیان کرنے والوں سے یہ کہا جانے لگا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ۔ اگر وہ اہل سنت میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول کی جائیں گی اور اگر وہ اہل بدعت میں سے ہیں تو ان کی روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔"

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین جس صدق و امانت اور اخلاص کے مقام پر تھے، اس کی بنا پر ہر وقت اسناد کا اہتمام نہیں رکھتے تھے، کبھی سند کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے اور کبھی ترک کر دیتے تھے، جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث بیان کی:

"عن فاطمة اخبرته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرها ان تحل فحلت، ونضحت البيت بنضوح"

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نقل کرتے تھے، جن کو وہ براہ راست نہیں سن سکے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپس میں ایک دوسرے کے واسطے سے احادیث کو روایت کیا کرتے تھے۔ نیز عربوں کی خصوصیات میں سے تھا کہ وہ اکثر زمانۂ جاہلیت میں بھی اشعار و حکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے۔

اس لیے احادیث کو بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ عام طور پر اسناد کے ساتھ ہی بیان کرتے اور کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے، مگر اس فتنہ کے شروع ہونے کے بعد اس کا خصوصیت سے التزام کیا جانے لگا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ: "بشیر بن کعب عدوی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیثیں بیان کرنے لگے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا: "لا ياذن لحديثه ولا ينظر اليه"

یعنی: "ابن عباس نہ ان کی حدیثوں کی طرف کان لگاتے تھے اور نہ کوئی توجہ فرماتے تھے۔"

بشیر کو تعجب ہوا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بشیر کے سامنے اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انا کنا اذا سمعنا رجلا یقول: "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم" ابتدرته ابصارُنا واصغینا الیه اٰذاننا فلما رکب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس الا ما نعرف"

ترجمہ: "ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے کہ جب ہم سنتے کہ کوئی آدمی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری نگاہیں فوراً اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور ہم ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات کو سنتے تھے، پھر جب لوگ ہر سرکش (اونٹ) اور غیر سرکش پر سوار ہونے لگے (یعنی غلط وصحیح میں تمیز جاتی رہی، رطب ویابس ہر طرح کی باتیں بیان کرنے لگے) تو اب ہم صرف انہیں حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنہیں ہم خود جانتے ہیں۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی شرح مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کی ہے: "ای ما یوافق المعروف او نعرف امارات الصحة وسمات الصدق"

"یعنی جو جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے موافق ہوں یا ان میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامتیں پائی جائیں۔"

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور فتنہ اور روایت میں تساہل کے بعد عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم واحتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کر لی تھی، تاکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کا پوری طرح سد باب ہو جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تلامذہ، یعنی تابعین جنہوں نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "هذا الحديث دين فانظروا عمن تأخذون دينكم" "یہ حدیث دین ہے، پس خوب غور کر لو ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین حاصل کر رہے ہو۔"

شعبی نے ربیع بن خثیم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ ربیع نے روایت بیان کی: "من قال لا اله الا الله وحده لا شريك له...... الخ" امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بن خثیم سے دریافت کیا کہ آپ سے اس حدیث کو کس نے بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عمرو بن میمون اودی نے، اس کے بعد میری ملاقات عمرو بن میمون اودی سے ہوئی، میں نے عرض کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے، پھر میری ملاقات ابن ابی لیلیٰ سے بھی ہوئی، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے صحابی ہیں۔''

ان کے بارے میں حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وھذا اول من فتش عن الاسناد" "یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق وتفتیش سے کام لیا۔"

تابعین اور تبع تابعین اکثر باہم احادیث کا مذاکرہ بھی کرتے تھے اور یہ حضرات صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جو جانی و پہچانی ہوتی ہوں اور ان کو ترک کردیتے جو نہیں پہچانی جاتی تھیں۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:

''ہم حدیث کو سنتے تھے اور اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اس طرح پیش کرتے تھے جیسے کھوٹے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن کو وہ حضرات پہچانتے تھے، انہیں قبول کرتے، ورنہ ترک کردیتے تھے۔"

اعمش کہتے ہیں:......"ابراہیم نخعی حدیث کے صراف تھے، میں بہت سے لوگوں سے حدیثوں کو سنتا، پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان روایات کو ان کے سامنے پیش کرتا، چناں چہ زید بن وہب وغیرہ کے یہاں مہینے میں ایک دو مرتبہ حدیث کے سلسلے میں حاضری ہوتی اور ابراہیم نخعی کی خدمت میں حاضری سے مشکل ہی سے ناغہ ہوتا۔"

اسماء الرجال کی تعریف:......ڈاکٹر ادیب صالح نے علم اسماء الرجال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"وھو علم یقوم علی مابه تعرف احوال رواۃ الحدیث من حیث کونھم رواۃ الحدیث" یہ وہ علم ہے کہ جو راویان حدیث کے احوال سے صرف ان کے راوی ہونے کی حیثیت سے بحث کرتا ہے۔

اس تعریف میں "من حیث کونھم رواۃ الحدیث" کی قید اس لیے لگائی گئی، ہر انسان کے بحیثیت انسان بہت سے احوال ہوتے ہیں، لیکن علم اسماء الرجال میں اس کے فقط ان احوال سے بحث ہوتی ہے کہ جن احوال سے اس کے راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے بحث کرنا ضروری ہوتا ہے اور جن احوال سے حدیث کی صحت وسقم اور اس کے مراتب کی تعیین کا تعلق ہوتا ہے۔

علامہ سخاوی نے اسماء الرجال کی تعریف اس طرح کی ہے:

"التعریف بالوقت التی تضبط به الاحوال فی الموالید والوفیات، ویلتحق به ما یتفق من الحوادث والوقائع التی ینشأ عنها معان حسنة من تعدیل وتجریح ونحو ذلك"

یعنی اس وقت کی معرفت کا نام تاریخ ہے کہ جس کے ساتھ احوال ضبط کیے جاتے ہیں پیدائش ووفات کے اعتبار سے، اس کے ملحقات میں سے وہ واقعات بھی ہیں کہ جس سے کسی کی تعریف یا تنقیص یا دوسرے احوال معلوم کیے جاتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے کہ جو جرح وتعدیل کے مخصوص الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وضوابط کے ساتھ راویانِ حدیث کے احوال اور اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے اور سن پیدائش وسنِ وفات اور رحلات واسفار علمیہ اور علم حدیث میں اُن کے مقام ومراتب سے بحث کرتا ہے۔

اسماء الرجال کا موضوع:......اس علم کا موضوع جس سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے راویان حدیث کے وہ احوال ہیں جس سے حدیث کے صحت وسقم پر کچھ اثر پڑتا ہو، چناں چہ ڈاکٹر صباغ اپنی کتاب "الحدیث النبوی مصطلحاتہ وبلاغتہ وکتبہ" میں لکھتے ہیں:

"وموضوعه :البحث فی رواة الحدیث وتاریخهم وکل ما یتعلق بشؤونهم ونشأتهم وشیوخهم وتلامذتهم ورحلاتهم، ومن اجتمعوا به، او من لم یجتمعوا به، من اهل عصرهم ومرکزهم العلمی فی عصرهم وعاداتهم وطبائعهم واخلاقهم وشهادة عارفیهم لهم، او علیهم وسائر ماله صلة بتکوین الثقة علیهم جرحاً او تعدیلاً"

''اس علم کا موضوع راویان حدیث کے احوال اوران کی تاریخ ،اساتذہ، تلامذہ، اسفار علمیہ، عادات واخلاق وطبائع اور ہر اس وصف سے بحث کرنا ہے کہ جس کا ان کی ثقاہت یا مجروح وعادل ہونے سے تعلق ہو۔''

غرض یہ کہ اس علم کا موضوع بڑا وسیع ہے اوران تمام جہات پر محیط ہے کہ جن کا راویان حدیث سے راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے کوئی ادنیٰ تعلق ہو۔ چناں چہ ڈاکٹر عجاج الخطیب اپنی کتاب اصول حدیث میں لکھتے ہیں:

"فهو یتناول ببیان احوال الرواة وبذکر تاریخ ولادة الراوی ووفاته وشیوخه وتاریخ سماعه منهم ومن روی عنه وبلادهم ومواطنهم ورحلات الراوی وتاریخ قدومه الی البلدان المختلفة وسماعه من بعض الشیوخ قبل الاختلاط ام بعده وغیر ذلک مما له صلة بأمور الحدیث"

''یہ علم اسمائے رجال یا تاریخ رجال، راویان حدیث کے تمام احوال پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔ اس میں راوی کی تاریخ پیدائش ووفات، اس کے اساتذہ اور تلامذہ اور راوی کے شہر ووطن، اسفار علمیہ اور مقامات سفر، ان اسفار میں کس سے ملاقات ہوئی اور کس سے نہیں ہوئی، کس استاذ سے اختلاط سے پہلے سنا اور کس سے اختلاط کے بعد، غرض کہ راوی کے ان تمام احوال سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے کہ جن کا امور حدیث سے کوئی معمولی تعلق ہو۔''

علم اسماء الرجال کی غرض وغایت:......اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ راویان حدیث کے احوال سے واقفیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کی جائے تاکہ اس کے ذریعے سے احادیث کی پہچان کی جائے اور صحیح اور غیر صحیح میں تمیز کی جائے، کیوں کہ ان احادیث پر ہمارے دین کے بہت سے اعمال اعتقادیہ وفقہیہ کا دارومدار ہے، اس کے علم کے بعد احادیث صحیحہ پر دین اور احکام دین کی بنیاد رکھی جائے اور ان لوگوں کی احادیث کو رد کر دیا جائے کہ جو قابل اعتماد نہ ہوں، یہ تمیز وتفتیش اگر نہ کی جائے تو دین میں بعض ایسی باتیں بھی داخل ہو جائیں گی جو بے اصل ہوں گی اور اس کے نتیجے میں دین کے اندر خلط واختلاط پیدا ہوگا اور سارا کا سارا دین بگڑ جائے گا۔

تاریخ اسماء الرجال:...... یہ ان اہم علوم میں سے ہے کہ جو علم حدیث کے نصف حصے پر مشتمل ہے، کیوں کہ حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک وہ جس کو سند کہتے ہیں، جس کی تعریف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں "طریق المتن" سے کی ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جو متن کہلاتا ہے، علم اسماء الرجال کا تعلق سند سے ہوتا ہے اور اس کی صحت اور عدم صحت کے اعتبار سے پھر متن سے بھی تعلق ہوتا ہے، گویا پورے علم حدیث سے اس کا تعلق ہے، اس لیے اس کی اہمیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، اسی لیے تو بڑے بڑے محدثین نے اس علم میں اپنی عمریں صرف کیں اور امت کے سامنے راویان حدیث کے حالات پر مشتمل وہ کتابیں پیش کیں کہ جس سے کوئی بھی علم حدیث سے تعلق رکھنے والا مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"وجب الفحص عن الناقلة والبحث عن احوالهم واثبات الذين عرفناهم بشرائط العدالة والتثبت فى الرواية، مما يقتضيه حكم العدالة فى نقل الحديث وروايته بأن يكونوا أمناء فى انفسهم، علماء بدينهم، اهل ورع وتقوى وحفظ للحديث واتقان وتثبت فيه وان يكونوا اهل تمييز وتحصيل لا يشوبهم كثير من الغفلات، ولا تغلب عليهم الاوهام فيما قد حفظوه ووعوه"

یعنی "روایت کرنے میں واجب ہے کہ اہل تثبت اور عادل راویوں کو تلاش کیا جائے اور ان کی روایت کو ثابت کیا جائے، جو عادل، امین اور اہل تقوی ہوں اور ان پر اوہام وغفلت کا غلبہ نہ ہو، جو کچھ سنا وہ اچھی طرح یاد ہو۔"

انہی علمائے جرح وتعدیل کے متعلق ڈاکٹر محمد الصباغ نے اپنی کتاب الحدیث النبوی میں لکھا ہے:

"لقد كان موقفهم منها الموقف الاسلامى السليم، فلم يقبلوها كلها، لانهم لو فعلوا ذالك لحرفوا دين الله، ففيها المكذوب، ولم يتركوها كلها، لانهم لو فعلوا ذالك لضيعوا دين الله، ولكنهم شمروا عن ساق الجد وصرفوا فى سبيل ذلك كل اوقاتهم،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لقد تتبعوا احوال الرواة التي تساعد علی عملية النقد، وتمييز الطيب من الخبيث، ودونوا في ذالك المدونات واحصوا فيها بالنسبة الی کل راوٍ متی ولد؟ ومتی شرع في الطلب؟ ومتی سمع؟ و کيف سمع؟ ومع من سمع وهل رحل والی اين؟ وذكروا شيوخه الذين يحدث عنهم وبلدانهم ووفياتهم، وفصلوا القول في احوال الشخص الواحد تفصيلا يدل علی التتبع الدقيق لکل حوادث حياته، فقد يقبلون رواية شخص في اول حياته ويردونها في آخرها، لانه اختلط، او يقبلون عند ما يروی عن ابناء بلده، لانه يعرفهم، ويردون روايته عندما يروی عن الاخرين، لقلة معرفته بهم"

یعنی "علمائے اسلام نے علم اسمائے رجال میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ بالکل صحیح اور اسلامی موقف ہے، کیوں کہ ان حضرات نے نہ تو تمام راویوں کی روایتوں کو قبول کیا، اس لیے کہ اس سے دین میں تحریف کا راستہ کھلتا اور نہ سب کی روایتوں کو ترک کیا کہ اس سے دین کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا، بلکہ ان حضرات نے اس راہ میں تکالیف اور مشقتیں برداشت کر کے اپنے تمام اوقات صرف کیے اور راویانِ حدیث کے احوال کا علم حاصل کیا، جو ان کے لیے صحیح اور غیر صحیح کی تمیز ونقد میں معاون ثابت ہوئی، اس سلسلے میں ان حضرات نے کتابیں لکھی اور ہر راوی کے حالات کا از اول تا آخر پورا احاطہ کیا کہ کب پیدا ہوا تھا؟ کب اس نے طلب حدیث کی ابتدا کی کب سنا؟ کیسے سنا؟ کس کے ساتھ سنا؟ کب سفر کیا؟ اور کہاں کا سفر اختیار کیا؟ اس طرح ان کے اساتذہ کا ذکر، ان کے علاقوں کا ذکر اور تاریخ وفات کا ذکر کیا اور بعض راویوں کے حالات میں تو ان کی زندگی کے جزئی حالات بھی خوب تحقیق وتدقیق سے تلاش کیے اور ان کی زندگی کے تمام حوادث ذکر کر دیے ہیں۔

طبقات علمائے اسماء الرجال:...... اس موضوع پر سب سے پہلے ابن عدی نے الکامل میں لکھا اور صحابہ، تابعین اور تبع وتابعین کے بعد اپنے زمانے تک ان علماء کا نام لکھا ہے کہ جن سے راویان جرح وتعدیل کے متعلق اقوال منقول ہیں یا جنھوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، ان کے بعد پھر امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام "من یعتمد قوله في الجرح والتعديل" ہے، جو شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کی تحقیق کے ساتھ مطبوعہ ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے بائیس طبقات قائم کیے ہیں اور سات سو پندرہ علماء کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المتکلمون في الرجال" کے عنوان سے ان کو "اعلان بالتوبيخ" اور "فتح المغيث" میں 26 طبقات میں ذکر کیا ہے، لیکن کچھ تلخیص بھی کی، اپنے زمانے تک انہوں نے دو سو دس اشخاص کے نام ذکر کیے۔

© rasailojaraid.com